محمد اسحاق بھٹی

مناسکِ حج، شاہ ولی اللہ کے نقطۂ فکر سے

اسلامی احکام و عبادات اور دینی اوامر و نواہی کے بارے میں امتِ مسلمہ میں دو بزرگوں نے فلسفہ و فکر کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔ ایک امام غزالی نے اور دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے۔! مگر ان دونوں کے طرزِ ادا اور اسلوبِ بیان میں نمایاں فرق ہے۔ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" میں شاہ صاحب نے دیگر ارکانِ اسلام کے علاوہ حج اور مناسکِ حج کے موضوع پر بھی تفصیل سے بحث کی ہے، جس کے ایک حصے کی تلخیص اور ترجمہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

حج بیت اللہ اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ایک رکن ہے۔ اس کی ادائیگی ہر ذی استطاعت اور صاحبِ حیثیت مسلمان پر فرض ہے۔ حج کے موقع پر دنیا کے ہر گوشے سے لاکھوں مسلمان اللھم لبیک، لبیک، لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک۔ کے نغمے الاپتے اور اللہ کی حمد و ثنا کے ترانے گاتے ہوئے سرزمین حجاز میں وارد ہوتے ہیں۔ سال میں چند روز کے لیے یہ وادیِ غیر ذی ذرع اور سرزمینِ بے آب و گیاہ ساری دنیا کے مسلمانوں کا مرکز قرار پا جاتی ہے۔ اس میں کالے اور گورے، غریب اور امیر، غلام اور آقا کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ خوش قسمت اور بلند بخت لوگ دعائیں کرتے اور رحمتِ خداوندی سے اپنے دامنِ طلب کو بھر لیتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے فیوض و برکات کی بارش ہوتی ہے اور اس کا ابرِ کرم انسانوں کے لیے ایک عظیم ہجوم پر سایہ فگن ہو جاتا ہے۔

بیت اللہ شریف، اللہ کی رحمتوں کا بہت بڑا مرکز اور اس کے شعائر میں سے ایک پر عظمت شعار ہے۔ اس کی تعظیم کرنا اور اسے مقدس جاننا ایمان کا بنیادی جزو ہے۔ حج اس کی تقدیس و تعظیم بیان کرنے کا عظیم الشان ذریعہ ہے۔ اس ذریعے سے دور دراز کے مسلمانوں میں باہمی تعلقات پیدا ہوتے اور اسلام کی عالم گیر برادری میں وحدت کے جذبات ابھرتے ہیں، اور یہ سنتِ ابراہیمی کی دنیوی شان و شکوہ اور روحانی عظمت و برتری کا بہت بڑا نشان ہے۔

حج کی تقریب بہت پرانی تقریب ہے۔ عہدِ جاہلیت میں بھی عرب کے لوگ کعبے کے بیتِ عتیق میں حج کے لیے جایا کرتے تھے، لیکن اس میں انھوں نے بعض ایسے امور شامل کر لیے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ماثور و منقول نہ تھے۔ مثلاً وہ اس موقع پر بعض بتوں کی تعظیم بجا لاتے اور ان کے نام پر احرام باندھتے تھے۔ انھوں نے تلبیہ میں ایسے الفاظ شامل کر لیے تھے جن میں شرک کی آمیزش پائی جاتی تھی۔ قبیلۂ قریش کے لوگوں نے اس قسم کی من گھڑت اور مخترع چیزوں کو اپنا لیا تھا، جن سے انھیں اپنی برتری اور فضیلت کا اظہار اور تعلّی و غرور کا اعلان مقصود تھا۔ وہ اس نوع کے اعمال کا مظاہرہ کرتے تھے جن کا مفاد یہ تھا کہ وہ اللہ سے کوئی خاص وابستگی اور گہرا رابطہ رکھتے ہیں اور ان کا اللہ سے علاقہ (نعوذ باللہ) اس کے اہلِ بیت اور حرم کا سا ہے۔ مناسکِ حج میں وہ اپنا مقام و وقوف بھی عام لوگوں سے علیحدہ رکھتے تھے۔ اسلام نے ان کے ان خود ساختہ ممیزات و مستثنیات کو بالکل ختم کر دیا اور فرمایا:

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ (البقرہ، ۱۹۹)

تم وہیں سے لوٹو جہاں سے عام لوگ لوٹتے ہیں۔

اسی طرح جب وہ لوگ منیٰ کے مقام میں جمع ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر و شغل سے بے نیاز ہو کر اپنے آباو اجداد اور خاندان کے فخر و مباہات کے قصے بیان کرنا شروع کر دیتے اور اپنی بسالت و شجاعت کے افسانے بلند آہنگی سے سناتے۔ قرآنِ مجید نے ان کو پورے زور سے ان حرکات سے روک دیا اور فرمایا:

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا ط (البقرہ، ۲۰۰)

یعنی جب تم مناسکِ حج ادا کر چکو اور منیٰ میں لوٹ آؤ تو اللہ تعالیٰ کو اسی طرح یاد کرو، جس طرح اپنے آبا و اجداد کو یاد کرتے ہو، بلکہ اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑھ کر کرو۔

قریشِ مکہ نے بدعات و رسوم کو مناسکِ حج میں اس اہتمام سے داخل کر لیا تھا کہ ظہورِ اسلام کے بعد خود مسلمان بھی بعض مناسک کی ادائیگی میں شبہے کا شکار ہو گئے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کو بھی انھوں نے مشرکین ہی کی ایک رسم سمجھ لیا۔ یہ شبہ اس لیے پیدا ہوا کہ عہدِ جاہلیت میں مشرکین نے صفا اور مروہ (دو پہاڑیوں) پر دو بت نصب کر رکھے تھے، ایک بت کا نام "اساف"

تھا اور دوسرے کا "نائلہ"۔ جب مشرکینِ عرب صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے تو ان بتوں کا استلام بھی کرتے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ یہ سعی محض دورِ جاہلیت کی ایک رسم ہے۔ قرآنِ مجید نے مسلمانوں کے اس شبہے کا ازالہ کیا اور فرمایا:

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ج (البقرہ: ۱۵۸)

یعنی اس سلسلے میں کسی قسم کے شک اور شبہے میں مبتلا نہ ہو جاؤ، صفا اور مروہ کے درمیان سعی تو اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں مشرکین نے اور بھی بہت سی چیزیں رسومِ حج میں شریک کر لی تھیں اور ان پر عمل کو ضروری قرار دے لیا تھا۔ لیکن یہ چیزیں چونکہ ذہنی، روحانی اور جسمانی طور پر اذیت رساں اور تکلیف دہ تھیں، اس لیے اسلام نے پوری سختی سے ان کو ختم کر دیا۔ مثلاً ان کا یہ نقطۂ نظر تھا کہ جب کوئی شخص حج کا احرام باندھ لے، اور پھر کسی ضروری کام سے گھر جانا چاہے تو سیدھے دروازے سے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا، اسے دیوار پھاند کر گھر میں داخل ہونا چاہیے۔ اسلام نے اس نقطۂ نظر کا ابطال کیا اور فرمایا:

وَ لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُھُوْرِھَا (البقرہ: ۱۸۹)

یعنی یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں کے پیچھے کی طرف سے دیواریں پھاند کر اندر آؤ۔

ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ حج کے دوران میں خرید و فروخت اور تجارتی کاروبار کلیتہً حرام ہے، اس سے نیکی کا داعیہ مجروح ہوتا ہے اور جذبۂ اخلاص پر ضرب پڑتی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ عملِ حج کو دنیوی امور سے ہرگز ملوث نہ کیا جائے ۔۔۔ لیکن اس صورتِ حال سے چونکہ کاروبار بند ہو جاتے تھے اور حوائجِ انسانیہ کے حصول میں رکاوٹ پیدا ہوتی تھی، اس لیے شریعتِ اسلامی نے مشرکین کے اس نقطۂ نظر کا بھی خاتمہ کر دیا اور صاف لفظوں میں فرمایا:

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ ط (البقرہ: ۱۹۸)

یعنی اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم ایامِ حج میں تجارت کرو، تلاشِ رزق تو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ اس سے کیوں رکتے ہو۔

اسی طرح مشرکینِ عرب سفرِ حج میں زادِ راہ ساتھ لے کر جانے کو خلافِ تقویٰ سمجھتے تھے اور

حج میں تہی دامن رہنے کو بہت بڑی نیکی تصور کرتے تھے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ دورانِ حج میں بھوک اور پیاس سے نڈھال ہوجاتے اور ضروریات کے حصول میں سخت تکلیفوں سے دوچار ہوجاتے ۔ پھر بات یہاں تک پہنچ جاتی کہ وہ باشندگانِ مکہ کے سامنے دست سوال دراز کرتے اور اپنی ضروریات کے حصول کے لیے ان کے دروازوں پر دستک دیتے ۔ اس بھیک مانگنے سے ان کو شریعتِ اسلامی نے روک دیا اور حکم جاری فرمایا کہ زادِ راہ نہایت ضروری ہے۔ ارشاد ہوا :

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ز (البقرہ : ۱۹۷)

یعنی حج کو جاؤ تو زادِ راہ اور سفرخرچ ساتھ لے کر چلو ۔ بلاشبہ اچھا سفرخرچ یہی ہے کہ آدمی سوال کرنے سے بچ جائے ۔

اس قسم کی متعدد رسوم و عوائد کو مشرکینِ عرب نے حج میں شامل کر رکھا تھا، لیکن شریعتِ اسلامی نے مسلمانوں کو ان سے پوری شدت سے منع فرمایا اور جو عقائدِ باطلہ ان کے اندر راسخ ہو چکے تھے، ان سے قطعاً روک دیا۔

شریعت نے مسلمان کے آرام و آسائش کا حد درجہ خیال رکھا ہے ۔ حج کی فرضیت بھی اس نے زندگی بھر میں ایک ہی دفعہ قرار دی ہے ۔ اس لیے کہ بار بار سفر کرنا اور دور دراز کی مسافت طے کرنا، جنگلوں اور پہاڑوں کو قطع کرنا، سمندروں کو عبور کرنا اور بحر و بر میں چلنا انتہائی دشوار ہے ۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا حج ہر سال کرنا چاہیے ؟ آنحضرتؐ خاموش رہے ۔ صحابی نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا، آنحضرتؐ نے فرمایا، اگر میں تمھارے سوال کے جواب میں "ہاں" کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج کرنا فرض ہوجاتا اور تم اس فرض کی ادائیگی سے عہدہ برآ نہ ہو سکتے ۔

حج کی فضیلت میں بہت سی احادیث مروی ہیں ۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ تمام اعمال سے افضل عمل کون سا ہے ؟ آپؐ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانا ۔ اس نے عرض کیا، اس کے بعد ؟ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ کے دین کی حمایت و نصرت میں جہاد کرنا ۔ اس نے کہا اس کے

بعد؟ آپ نے فرمایا۔ حج مبرور۔

اس حدیث میں حج کو تیسرا درجہ دیا گیا ہے، جب کہ بعض احادیث میں اسے افضل الاعمال ٹھہرایا گیا ہے۔ اس پہ یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اس مسئلے میں تضاد یا تخالف ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اختلافِ مواقع اور اختلافِ حیثیت سے احکامِ شریعت بھی متاثر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایک عمل اوّلین درجے میں آجاتا ہے اور بعض اوقات اس کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے، اور ایک کا ترک اور دوسرے کا ارتکاب، اختلافِ ماحول اور اختلافِ موقع و حیثیت کے مطابق لازمی اور ضروری ہو جاتا ہے۔ البتہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عمداً کسی امرِ دین کا ترک اور رکنِ اسلام کی عدم ادائیگی اللہ کے نزدیک قابلِ مواخذہ ہے اور یہ بات دائرۂ اسلام سے خروج کا باعث بن سکتی ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص صاحبِ نصاب ہو، لیکن حج نہ کرے اور مر جائے، اس کی موت اور ایک یہودی اور عیسائی کی موت میں کوئی فرق نہیں۔

حج کا مطلب یہ ہے کہ انسان نفسانی لذات کو ترک کر دے، تجمل و آرائش کے سروسامان کو تیاگ دے اور فقط اللہ کی خوشنودی و رضاجوئی اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت شعاری میں منہمک ہو جائے۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور اس حالت میں پیش کرے کہ احرام باندھے ہوئے ہے، زبان سے تحمید و تلبیہ کا ورد جاری ہے، لباس اتنا مختصر ہے کہ جس سے سترِ عورت ہی ہو سکے، برہنہ سر ہے، دنیوی جاہ و جلال اور مادی شان و شکوہ سے قطعاً بے نیاز ہے۔ مشاغل تفریحات سے دُور اور خواہشاتِ نفسانیہ سے بے زار ہے۔ یہاں تک کہ کرتا اور پاجامہ بھی نہیں پہنا ہے۔ صرف ایک چادر ہے جس سے احرام باندھ رکھا ہے۔

ایک مسلمان کی یہ کیفیت اللہ کے نزدیک خشوع و خضوع، تذلل و انکسار اور انقیاد و تواضع کی آخری دلیل ہے۔ حد یہ ہے کہ اگر موزے پہنے ہوئے تھے تو اتار دیے ہیں، خوشبو لگائی ہوئی تھی تو تین مرتبہ دھو ڈالی ہے، تاکہ اس کا ادنیٰ نشان بھی باقی نہ رہے، اگر جبّہ پہنا ہوا تھا تو اتار دیا ہے۔ غرض سب لوگ ایک ہی لباس، ایک ہی زبان اور ایک ہی ہیئت میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا

اور تلبیہ میں مشغول اور مناسکِ حج ادا کرنے میں مصروف ہیں ـــــ غور فرمایئے اس سے زیادہ مسلمانوں میں وحدت و مرکزیت پیدا کرنے اور اتحادِ فکر و عمل کی دعوت دینے کا اور کیا مؤثر ذریعہ ہو سکتا ہے۔

حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں مختلف رنگوں، نسلوں اور ملکوں کے لوگوں کا عظیم مجمع ہوتا ہے۔ یہ سب لوگ ایک ہی طرف کا رخ کرتے ہیں اور جدھر کو جانا ہوتا ہے، ایک ہی وضع اور ایک ہی شکل و ہیئت میں سب لوگ چل دیتے ہیں۔ تاکہ اللہ کے احکام کی بجا آوری اور اس کے اوامر کی انجام دہی میں سر مو فرق نہ آئے ـــــ یہ دنیا کے مختلف اطراف و اکناف سے آئے ہوئے لوگ اپنے اپنے میقاتِ حج سے احرام باندھ کر آئے ہیں۔ یہ عرفات میں جاتے ہیں، منیٰ میں اترتے ہیں، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں، بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، حجرِ اسود کی تقبیل کرتے ہیں اور ہر جگہ بارگاہِ خداوندی میں اطاعت شعاری کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ یہ بندگانِ خدا ہر قسم کے فخر و مباہات سے پاک اور دنیوی شان و اعزاز کے تمام جذبات سے مبرہ اور بالا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر ان کا محبوب مشغلہ اور اس کی عظمت و جلالت کا اظہار ان کا مطمحِ نظر ہے۔

تہافۃ الفلاسفہ

تلخیص و تفہیم :۔ مولانا محمد حنیف ندوی

امام غزالی کی مشہور کتاب تہافۃ الفلاسفہ اور اس کے جواب میں ابن رُشد کی تہافۃ التہافہ کو اسلامی عقائد و افکار میں سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ مولانا ندوی نے ایک تو تہافۃ الفلاسفہ کی اس تلخیص و تفہیم میں غزالی کے تنقیدی شاہ کار افکار کو شگفتہ اور رواں دواں اردو میں پیش کیا ہے، دوسرے ایک طویل مقدمہ سپردِ قلم کیا ہے جس میں غزالی اور ابنِ رُشد کے خیالات و افکار کا جچا تلا محاکمہ کیا گیا ہے۔ اسلامی فلسفے کے موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ کتاب ایک نہایت قیمتی دستاویز ہے۔

صفحات ۲۲۸ قیمت ۲۰ روپے

ملنے کا پتا :۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور